کیا قرآن حکیم سے بیک وقت تین طلاق کا ثبوت نہیں؟

از: مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی (مدیر)

اسلام دین فطرت اور ایک جامع نظام زندگی ہے جو راستی وسچائی کا آخری بیان ہونے کی بنا پر کسی ترمیم وتبدیلی کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اس کی تعلیمات میں ایک طرف صلابت وقطعیت ہے تو دوسری طرف وہ اپنے اندر بے کراں جامعیت اور ہمہ گیری لیے ہوئے ہے۔ جس میں ہر دم رواں پیہم دواں زندگی کے مسائل کے حل کی بھرپور صلاحیت ہے۔

قرآن حکیم جو خدائے لم یزل کا ابدی فرمانِ ہدایت ہے اصول وکلیات سے بحث کرتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان وحیِ ترجمان سے ان اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے اور اپنے معصوم عمل سے ان کی تطبیق وتنفیذ کا مثالی نمونہ پیش کیا ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین قانون اسلامی کے انھیں دونوں ماخذوں یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں اجماع واجتہاد کے ذریعہ اپنے اپنے دور میں پیش آمدہ مسائل وحوادث کا حل امت کے سامنے پیش کرتے رہے جس کا سلسلہ علماء حق کے ذریعہ کسی نہ کسی حد تک آج بھی جاری ہے۔

مغربی تہذیب جس کی بنیاد ہی اباحیت اور مذہبی واخلاقی قدروں کی پامالی پر ہے بدقسمتی سے آج پوری دنیا پر حاوی ہے۔ جس سے ہمارا ملک بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ مغربی تہذیب کی اسی اباحیت پسندی کی بنا پر آج کل بے ضرورت مسائل کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور ملک کا روشن خیال طبقہ جو نہ صرف مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے؛ بلکہ اس کا ترجمان ونمائندہ بھی ہے۔ ان بے ضرورت مسائل کو اٹھاتا رہتا ہے، حتیٰ کہ ایسے مسائل جو عہد صحابہ میں اجماعی طور پر طے پاچکے ہیں ان میں بھی تشکیک والتباس اور شکوک وشبہات ظاہر کرکے (جس کی انھیں بہ طور خاص تعلیم دی گئی ہے) ان کے لیے علماء سے من چاہے فتویٰ وفیصلہ کا ناروا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔

مزید برآں عربی زبان وادب، قرآن وحدیث اور ان سے متعلق ضروری علم سے واجبی

واقفیت کے بغیر یہ طبقہ دینی وشرعی مسائل میں اجتہاد کے فرائض انجام دینے کے خبط میں بھی مبتلا ہے اور کوشاں ہے کہ ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے بے لوث جہد وعمل کے ثمرات اور ان کی مخلصانہ کاوش سے حاصل شدہ متاع گراں مایہ جو مختلف مذاہب فقہ کی شکل میں امت کے پاس موجود ہے اسے نذر آتش کرکے از سرنو مسائل کے حل تلاش کیے جائیں؛ چنانچہ ''طلاق ثلاث'' کا مسئلہ اس کی زندہ مثال ہے جو آج کل ہمارے ان روشن خیال دانشوروں کی اجتہاد پسند اور اباحیت نواز فکر ونظر سے گزر کر زبان وقلم کا ہدف بنا ہوا ہے اور عورتوں کی مفروضہ مظلومیت کا نام لے کر اسلام اور علماء اسلام کو دل کھول کر طعن وتشنیع کا نشانہ بنارہا ہے، ایک ایسا مسئلہ جو چودہ سو برس پہلے طے پا چکا ہے جسے تمام صحابہؓ، جمہور تابعین، تبع تابعین، اکثر محدثین، فقہاء مجتہدین، بالخصوص ائمہ اربعہ اور امت کے سواد اعظم کی سند قبولیت حاصل ہے جس کی پشت پر قرآن محکم اور نبی مرسل ﷺ کی احادیث قویہ ہیں۔ اس کے خلاف آواز اٹھا کر اور عامۃ المسلمین کو اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا کرکے یہ اسلام کے نادان دوست اسلام کی کون سی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ان لوگوں کو قطعاً اس کی پرواہ نہیں ہے کہ ان کے اس طرز عمل کا سلف پر کیا اثر پڑے گا، ان کے متعلق عوام کا کیا تصور قائم ہوگا اور ان اکابر اسلام پر عوام کا اعتماد باقی رہے گا یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس غیر معقول رویہ سے نہ صرف ملت کی تضحیک ہورہی ہے؛ بلکہ اسلام مخالف عناصر کے لیے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم وتبدیلی کا جواز بھی فراہم ہورہا ہے؛ مگر ہمارے یہ دانشور چپ وراست سے آنکھیں بند کرکے شوقِ اجتہاد اور جوشِ تجدد میں اپنے ناوک قلم سے دینی احکام ومسائل میں رخنہ اندازی میں مصروف ہیں۔ (فالی اللّٰہ المشتکی)

نکاح کی اہمیت

اسلامی شریعت میں نکاح کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن وحدیث میں اس سے متعلق خصوصی احکامات صادر ہوئے ہیں اور ان کی ترغیب صریح ارشادات نبوی میں موجود ہے۔ ایک طویل حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا ''فمن رغب عن سنتی فلیس منی'' جو میری سنت نکاح سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ سے خارج ہے۔ (بخاری شریف، ج:۲،ص:۷۵۵)

ایک اور حدیث میں فرمایا ''ان سنتنا النکاح'' نکاح ہماری سنت ہے۔ (مسند امام احمد، ج:۵،ص:۱۶۳)

ایک حدیث میں نکاح کو تکمیل ایمان کا ذریعہ بتایا گیا ہے، خادم رسولؐ انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من تزوج فقد استکمل نصف الایمان فلیتق اللّٰہ فی النصف الباقی"

جس نے نکاح کرلیا اس نے اپنے نصف ایمان کی تکمیل کرلی؛ لہٰذا اسے چاہیے کہ بقیہ نصف کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ (مشکوٰۃ ۲۶۷ وجمع الفوائد ج۱ ص ۲۱۶)

انھیں جیسی احادیث کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ نے عبادات نافلہ میں اشتغال کے مقابلہ میں نکاح کو افضل قرار دیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نکاح کی ایک حیثیت اگر باہمی معاملہ کی ہے تو اسی کے ساتھ عام معاملات ومعاہدات سے بالاتر یہ سنت وعبادت کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ نکاح کی اسی خصوصی اہمیت کی بنا پر اس کے انعقاد اور وجود پذیر ہونے کے لیے باجماع کچھ ایسے آداب اور ضروری شرائط ہیں جو دیگر معاملات، خرید وفروخت وغیرہ میں نہیں ہیں، مثلاً ہر عورت اور ہر مرد سے نکاح درست نہیں، اس سلسلے میں اسلامی شریعت کا ایک مستقل قانون ہے جس کی رو سے بہت سی عورتوں اور مردوں کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا۔ دیگر معاملات کے منعقد ومکمل ہونے کے لیے گواہی شرط نہیں ہے، جب کہ نکاح کے انعقاد کے واسطے گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے، اگر مرد وعورت بغیر گواہوں کے نکاح کرلیں تو یہ نکاح قانونِ شرع کے لحاظ سے باطل اور کالعدم ہوگا۔

یہ خصوصی احکام اور ضروری پابندیاں بتارہی ہیں کہ معاملۂ نکاح کی سطح دیگر معاملات و معاہدات سے بلند ہے، شریعت کی نگاہ میں یہ ایک بہت ہی سنجیدہ اور قابلِ احترام معاملہ ہے جو اس لیے کیا جاتا ہے کہ باقی رہے، یہاں تک کہ موت ہی زوجین کو ایک دوسرے سے جدا کردے۔ یہ ایک ایسا قابلِ قدر رشتہ ہے، جو تکمیلِ انسانیت کا ذریعہ اور رضائے الٰہی واتباعِ سنت کا وسیلہ ہے، جس کے استحکام پر گھر، خاندان اور معاشرے کا استحکام موقوف ہے اور جس کی خوبی وخوشگواری پر معاشرے کی خوبی وبہتری کا دارومدار ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے انقطاع اور ٹوٹنے سے صرف فریقین (میاں بیوی) ہی متاثر نہیں ہوتے؛ بلکہ اس سے پورے نظام خانگی کی چولیں ہل جاتی ہیں اور بسا اوقات خاندانوں میں فساد ونزاع تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے جس سے معاشرہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اسی بناء پر بغیر ضرورت طلاق (جو رشتۂ نکاح کو منقطع کرنے کا شرعی ذریعہ ہے) خدائے دوجہاں کے نزدیک ایک ناپسندیدہ اور ناگوار عمل ہے۔ رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''أبغض الحلال إلی اللہ عز وجل الطلاق'' اللہ کی حلال کردہ چیزوں میں طلاق سے زیادہ مبغوض اور کوئی چیز نہیں۔ (سنن ابی داؤد ج ۱،ص ۳۰۲، المستدرک للحاکم ج ۲،ص ۱۶۹ وقال الذہبی صحیح علی شرط مسلم)

اسلام کا ضابطۂ طلاق

اس لیے جو اسباب و وجوہ اس بابرکت اور محترم رشتہ کو توڑنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، انھیں راہ سے ہٹانے کا کتاب وسنت کی تعلیمات نے مکمل انتظام کردیا ہے۔ زوجین کے باہمی حالات ومعاملات سے متعلق قرآن وحدیث میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں، ان کا مقصد یہی ہے کہ یہ رشتہ کمزور ہونے کی بجائے پائیدار اور مستحکم ہوتا چلا جائے۔ ناموافقت کی صورت میں افہام وتفہیم، پھر زجر وتنبیہ اور اگر اس سے کام نہ چلے اور بات بڑھ جائے تو خاندان ہی کے افراد کو حکم وثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

لیکن بسا اوقات حالات اس حد تک بگڑ جاتے ہیں کہ اصلاح حال کی یہ ساری کوششیں بے سود ہوجاتی ہیں اور رشتہ ازدواج سے مطلوب ثمرات وفوائد حاصل ہونے کے بجائے زوجین کا باہم مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ ایسی ناگزیر حالت میں ازدواجی تعلق کا ختم کردینا ہی دونوں کے لیے؛ بلکہ پورے خاندان کے لیے باعث راحت ہوتا ہے، اس لیے شریعت اسلامی نے طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا، جس میں طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا گیا جس میں عادتاً وطبعاً عورت کے مقابلہ میں فکر وتدبر اور برداشت وتحمل کی قوت زیادہ ہوتی ہے، علاوہ ازیں مرد کی قوامیت وافضلیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ اختیار صرف اسی کو حاصل ہو؛ لیکن عورت کو بھی اس حق سے یکسر محروم نہیں کیا کہ وہ ''کالمیت فی ید الغسال'' شوہر کے ہر ظلم وجور کا ہدف بنی رہے اور اپنی رہائی کے لیے کچھ نہ کرسکے؛ بلکہ اسے بھی یہ حق دیا کہ شرعی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرکے قانون کے مطابق طلاق حاصل کرسکتی ہے یا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

پھر مرد کو طلاق کا اختیار دے کر اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑ دیا؛ بلکہ اسے تاکیدی ہدایت دی کہ کسی وقتی وہنگامی ناگواری میں اس حق کو استعمال نہ کرے، اس پر بھی سخت تنبیہ کی گئی کہ حق طلاق کو دفعتاً استعمال کرنا غیر مناسب اور نادانی ہے؛ کیونکہ اس صورت میں غور وفکر اور مصالح کے مطابق فیصلہ لینے کی گنجائش ختم ہوجائے گی، جس کا نتیجہ حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی

بھی تاکید کی گئی کہ حیض کے زمانہ میں یا ایسے طہر میں جس میں ہم بستری ہوچکی ہے طلاق نہ دی جائے؛ کیونکہ اس صورت میں عورت کو خوامخواہ طول عدت کا ضرر پہنچ سکتا ہے؛ بلکہ اس حق کے استعمال کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جس طہر میں ہم بستری نہیں کی گئی ہے ایک طلاق دے کر رک جائے، عدت پوری ہوجانے پر رشتہ نکاح ختم ہوجائے گا۔ دوسری یا تیسری طلاق کی ضرورت نہیں پڑے گی اور اگر دوسری یا تیسری طلاق دینی ہی ہے تو الگ الگ طہر میں دی جائے۔

پھر معاملہ نکاح کے توڑنے میں یہ لچک رکھی کہ ایک یا دو بار صریح لفظوں میں طلاق دینے سے فی الفور نکاح ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ عدت پوری ہونے تک یہ رشتہ باقی رہے گا۔ دوران عدت اگر مرد طلاق سے رجوع کرلے تو نکاح سابق بحال رہے گا، جب کہ دیگر معاملات بیع وشراء وغیرہ میں یہ گنجائش نہیں ہے۔ نیز عورت کو ضرر سے بچانے کی غرض سے حق رجعت کو بھی دو طلاق تک محدود کردیا گیا؛ تاکہ کوئی شوہر محض عورت کو ستانے کے لیے ایسا نہ کرسکے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے اور رجعت کرکے قید نکاح میں اسے محبوس رکھے؛ بلکہ شوہر کو پابند کردیا گیا کہ اختیار رجعت صرف دو طلاقوں تک ہی ہے، تین طلاقوں کی صورت میں یہ اختیار ختم ہوجائے گا؛ بلکہ فریقین اگر باہمی رضا سے نکاح ثانی کرنا چاہیں تو ایک خاص صورت کے علاوہ یہ نکاح درست اور حلال نہیں ہوگا۔ آیت پاک "الطلاق مرتان" اور "فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" میں یہی قانون بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی نے تیسری طلاق دے دی تو معاملہ نکاح ختم ہوگیا اور اب مرد کو نہ صرف یہ کہ رجعت کا اختیار نہیں؛ بلکہ تین طلاقوں کے بعد اگر یہ دونوں باہمی رضا سے پھر رشتۂ نکاح میں منسلک ہونا چاہیں تو وہ ایسا نہیں کرسکتے تاوقتیکہ یہ عورت عدتِ طلاق گزار کر دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے، نیز حقوقِ زوجیت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے دوسرے شوہر کے ساتھ رہے پھر اگر اتفاق سے یہ دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے یا وفات پاجائے تو اس کی عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔ آیت کریمہ "فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا" میں اسی نکاحِ جدید کا بیان ہے۔ یعنی پھر اگر یہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دے دے تو ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ باہم رشتۂ ازدواج قائم کرلیں۔ شریعتِ اسلامی کے وضع کردہ اس ضابطۂ طلاق پر اگر پورے طور پر عمل کیا جائے تو طلاق دینے کے بعد نہ کسی شوہر کو حسرت وندامت سے دوچار ہونا پڑے گا اور نہ ہی کثرتِ طلاق کی یہ وبا باقی رہے گی، جس کے نتیجہ میں طرح طرح کے ناگوار مسائل پیدا ہوتے ہیں جو نہ صرف مسلم معاشرہ کے لیے دردِ سر بنے ہوئے ہیں؛ بلکہ اسلام

مخالف عناصر کو اسلامی قانونِ طلاق میں کیڑے نکالنے اور طعنہ زنی کا موقع فراہم کررہے ہیں۔
حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجهه کا ارشاد ہے: ”لو ان الناس اصابو احد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته“ اگر لوگ طلاق سے متعلق پابندیوں پر قائم رہیں تو کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر گرفتار ندامت نہیں ہوگا۔(احکام القرآن جصاص رازی ج۱ ص ۳۸۷)

اس موقع پر ایک سوال یہ بھی اُٹھتا ہے کہ اگر کسی نے ازراہِ حماقت و جہالت طلاق کے مستحسن اور بہتر طریقہ کو چھوڑ کر غیر مشروع طور پر طلاق دے دی، مثلاً الگ الگ تین طہروں میں طلاق دینے کے بجائے ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی تلفظ میں تینوں طلاقیں دے ڈالیں تو اس کا اثر کیا ہوگا؟

آج کل ایک خاص مقصد کے تحت ایک مخصوص طبقہ مختلف ذرائع سے عامۃ المسلمین کو یہ باور کرانے کی کوشش میں مصروف ہے کہ ایک مجلس یا ایک تلفظ میں دی گئی تین طلاقیں شرعاً ایک ہی شمار ہوں گی اور اس طرح دی گئی تین طلاقوں کے بعد ازدواجی تعلق برقرار اور شوہر کو رجعت کا اختیار باقی رہے گا؛ جب کہ ظاہر قرآن، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء ومحدثین سے ثابت ہے کہ مجلسِ واحد یا کلمۂ واحدہ کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ شریعتِ اسلامی کا یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر عہدِ فاروقی میں حضراتِ صحابہؓ کا اجماع واتفاق ہو چکا ہے، جس کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اسی بنا پر ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بیک زبان کہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق چاہے بیک لفظ دی جائیں یا الگ الگ لفظوں سے واقع ہوجاتی ہیں اور تین طلاقوں کے بعد چاہے، وہ جس طرح بھی دی گئی ہوں رجعت کرنا ازروئے شرع ممکن نہیں ہے۔ یہی جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے۔ ذیل میں اس مسئلہ سے متعلق قرآن کی تین آیتوں کی تفسیر پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) آیت پاک الطلاق مرتان الخ کی تفسیر

مسئلہ زیر بحث میں ضروری ہے کہ سب سے پہلے قرآن حکیم کی ’’آیت طلاق‘‘ پر غور کرلیا جائے؛ کیونکہ مسئلہ طلاق میں اس کی حیثیت ایک بنیادی ضابطہ اور قانون کی ہے۔ اس آیت کی تفسیر وتاویل معلوم ہوجانے سے انشاء اللہ مسئلہ کی بہت ساری گتھیاں ازخود سلجھ جائیں گی۔

عہدِ جاہلیت میں طلاقیں دینے اور پھر عدت میں رجوع کرلینے کی کوئی حد نہیں تھی، سیکڑوں

طلاقیں دی جاسکتی تھیں اور پھر عدت کے اندر رجوع کیا جاسکتا تھا، بعض لوگ جنھیں اپنی بیویوں سے کسی بناء پر کد ہوجاتی اور وہ انھیں ستانا اور پریشان کرنا چاہتے تو طلاقیں دے دے کر عدت میں رجوع کرتے رہتے تھے، نہ خود ان کے ازدواجی حقوق ادا کرتے اور نہ انھیں آزاد کرتے اور اس طرح وہ مجبور محض اور بے بس ہوکر رہ جاتی تھیں، جب تک طلاق سے متعلق اسلام میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا مسلمانوں میں بھی طلاق کا یہی طریقہ جاری رہا، امام قرطبی لکھتے ہیں: "وکان هذا اوّل الإسلام برهة" (جامع احکام القرآن ج۳،ص۱۲۶) ابتدائے اسلام میں ایک عرصہ تک یہی طریقہ رائج رہا۔

اخرج البيهقي بسنده عن هشام هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: "كَانَ الرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةً أَوْ أَكْثَرَ إِذَا ارْتَجَعَهَا قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا حَتَّى قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِينِي وَلَا أُؤْوِيكِ إِلَيَّ قَالَتْ: وَكَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: أُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ ارْتَجَعْتُكِ وَأَفْعَلُ هَكَذَا! فَشَكَتِ الْمَرْأَةُ ذَلِكَ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَذَكَرَتْ عَائِشَةُ ذَلِكَ رسول اللّٰه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَتَ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) الآية، فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ فَمَنْ شَاءَ طَلَّقَ وَمَنْ شَاءَ لَمْ يُطَلِّقْ" وَرَوَاهُ أَيْضًا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَالْحُمَيْدِيُّ عَنْ يَعْلَى بْنِ شَبِيبٍ وَكَذَلِكَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ يَسَارٍ بِمَعْنَاهُ وَرُوِيَ نُزُولُ الآيَةِ فِيهِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا. (سنن الکبریٰ للبیقهی مع الجوهر النقی ج۷، ص۳۳۳ مطبوعه حیدرآباد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مرد اپنی بیوی کو جتنی طلاقیں دینا چاہتا دے سکتا تھا، اگرچہ وہ طلاقیں سیکڑوں تک پہنچ جائیں، بشرطیکہ عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کرلے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے اس طرح طلاق نہ دوں گا کہ تو مجھ سے الگ ہوجائے اور نہ میں تجھے اپنی پناہ ہی میں رکھوں گا، اس عورت نے پوچھا کہ یہ معاملہ تم کس طرح کروں گے، اس نے جواب دیا: میں تجھے طلاق دوں گا اور جب عدت پوری ہونے قریب ہوگی تو رجوع کرلوں گا، طلاق اور رجعت کا یہ سلسلہ جاری رکھوں گا، اس عورت نے اپنے شوہر کی اس دھمکی کی شکایت حضرت عائشہؓ سے کی، حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آں حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم سے کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش رہے اس پر کچھ فرمایا نہیں؛ تا آنکہ قرآن حکیم کی آیت (الطلاق مرتان الخ) نازل ہوگئی، تو اس وقت سے لوگوں نے آیت کے مطابق طلاق کی ابتدا کی جس نے چاہا اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جس نے چاہا نہ دی، امام بیہقی کہتے ہیں کہ اس روایت کو قتیبہ بن سعید اور حمیدی نے بھی یعلی بن شبیب کے واسطہ سے نقل کیا ہے، اسی طرح محمد ابن اسحاق امام المغازی نے ہشام کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔

وأخرج ابن مردوية بسنده عن عائشة قالت لم يكن للطلاق وقت يطلق الرجل امرأة ثم يراجعها مالم تنقص العدة فوقت لهم الطلاق ثلاثا يراجعها فى الواحدة والثنتين وليس فى الثالثة رجعة حتى تنكح زوجا غيره (تفسیرابن کثیرج۱،ص۲۷۲)

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ طلاق کی کوئی حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کرلیا کرتا تھا تو ان کے لیے تین طلاق کی حد مقرر کردی گئی ایک اور دو طلاقوں تک رجعت کرسکتا ہے، تیسری کے بعد رجعت نہیں تاوقتیکہ مطلقہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔''

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے ورواه الحاكم فى مستدركه وقال صحيح الاسناد، اس روایت کو امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

أخرج أبوداؤد عن ابن عباس رضي الله عنهما "المطلقات يتربصن فانفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله فى أرحامهن'' الآية وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعتها وإن طلقها ثلاثًا فنسخ ذلك فقال "الطلاق مرتان" (بذل المجهود شرح سنن أبو داود باب فى سنخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ج۲، ص ٦١)

''مطلقہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور انھیں حلال نہیں اس چیز کا چھپانا جو اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کی ہے، دستور یہ تھا کہ مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا تو رجعت کا حق رکھتا تھا، اگرچہ تین طلاقیں دی ہوں پھر اس طریقہ کو منسوخ کردیا گیا، اللہ جل شانہ نے فرمایا: الطلاق مرتان، یعنی طلاق رجعی دو ہیں۔

الفاظ کے فرق کے ساتھ سبب نزول سے متعلق اسی طرح کی روایتیں موطا امام مالک اور جامع ترمذی اور تفسیر طبری وغیرہ میں بھی ہیں، ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ "الطلاق مرتان" کے ذریعہ قدیم طریقہ کو منسوخ کرکے طلاق اور رجعت دونوں کی حد متعین کردی گئی کہ طلاق کی تعداد تین ہے اور رجعت دو طلاقوں تک کی جاسکتی ہے اس کے بعد رجعت کا اختیار ختم ہوجائے گا "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" دو کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی تو بیوی حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ کسی مرد سے نکاح کرلے، حدیث میں "تنكح زوجا غيره" کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ دوسرا شوہر لطف اندوز صحبت بھی ہو۔

قدوۃ المفسرین امام ابن جریر طبری متوفی ۳۰۹ھ سبب نزول کی روایت متعدد سندوں سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فتاويل الآية على هذا الخبر الذى ذكرنا، عدد الطلاق الذى لكم أيها الناس فيه على ازواجكم الرجعة إذا كن مدخولا بهن تلطيقتان ثم الواجب بعد التطليقتين امساك بمعروف او تسريح باحسان لانه لا رجعة له بعد التطليقتين ان سرحها فطلقها الثلاث.

''آیت پاک کی تفسیر ان روایتوں کے پیش نظر جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں یہ ہے کہ طلاق کی وہ تعداد جس میں تمھیں اے لوگو اپنی مطلقہ بیویوں سے رجعت کا حق ہے؛ جبکہ ان سے ہم بستری ہوچکی ہو دو طلاقیں ہیں۔ ان دو طلاقوں کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ نکاح میں روک لینا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اس لیے کہ دو طلاقوں کے بعد رجعت نہیں ہے، اگر چھوڑنا چاہے تو تیسری طلاق دے دے۔''

اس کے بعد آیت سے متعلق دوسرا قول ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

وقال الآخرون انما انزل هذه الآية على نبى الله (صلى الله عليه وسلم) تعريفاً من الله تعالىٰ ذكره عباده سنة طلاقهم نساءهم إذا ارادوا طلاقهن لا دلالته على القدر الذى تبين به المرأة من زوجها وتاويل الآية على قول هؤلاء سنة الطلاق التى سنتها وابحتها لكم ان اردتم طلاق نساءكم ان تطلقوهن ثنتين فى كل طهر واحدة ثم الواجب بعد ذلك عليكم اما ان تمكسوهن بمعروف او تسرحوهن بإحسان.

''اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منجانب اللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

ہوئی اللہ کی طرف سے بندوں کو اپنی بیویوں کو طریقہ طلاق سکھانے کے لیے، اس آیت کا مقصد طلاق بائن کی تعداد بیان کرنا نہیں ہے، ان حضرات کے اس قول کے تحت آیت کی تفسیر یہ ہوگی کہ طلاق کا طریقہ جو میں نے جاری اور تمہارے لیے مباح کیا، یہ ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو انھیں دو طلاقیں ایک ایک طہر میں دو، ان دو طلاقوں کے بعد تم پر واجب ہوگا کہ انھیں دستور شرعی کے مطابق روک لو یا خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دو۔"

شان نزول سے متعلق ان دونوں روایتوں اور ان کے تحت آیت کی تفسیر نقل کرنے کے بعد اپنی ترجیحی رائے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

(۱) والذی أولی بظاهر التنزیل ما قاله عروة وقتادة ومن قال مثل قولهما من ان الآیة انما هی دلیل علی عدد الطلاق الذی یکون به التحریم وبطلان الرجعة فیه والذی یکون فیه الرجعة منه وذلك ان اللّٰه تعالیٰ ذکره قال فی الآیة التی تتلوها "فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" فعرف عباده القدر الذی به تحرم المرأة علی زوجها الا بعد زوج ولم یبین فیها الوقت الذی یجوز الطلاق فیه والوقت الذی لایجوز فیه. (جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج۳، ص۲۵۹)

"ظاہر قرآن سے زیادہ قریب وہی بات ہے جو عروہ، قتادہ وغیرہ نے کہی ہے، یعنی یہ آیت دلیل ہے اس عدد طلاق کی جس سے عورت حرام اور رجعت کرنی باطل ہوجائے گی اور جس طلاق کے بعد رجعت ہوسکتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد "فإن طلّقها فلا تحل له" کا ذکر کرکے بندوں کو طلاق کی اس تعداد کو بتایا ہے جس سے عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی؛ مگر یہ کہ دوسرے شوہر سے رشتۂ نکاح قائم کرلے، اس موقع پر ان اوقات کا ذکر نہیں فرمایا ہے جن میں طلاق جائز اور ناجائز ہوتی ہے۔"

امام ابن جریر طبری کے علاوہ حافظ ابن کثیر اور امام رازی نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے، نیز علامہ سید آلوسی حنفیؒ نے اس کو "الیق بالنظم و اوفق بسبب النزول" (یعنی نظم قرآن سے زیادہ مناسب اور سبب نزول سے خوب چسپاں ہے) بتایا ہے۔ (روح المعانی ج۲، ص۱۳۵)

آیت پاک "الطلاق مرتان" کی اس تفسیر کا (جسے امام طبری وغیرہ نے اولیٰ اور راجح قرار دیا ہے) سبب نزول سے موافق ہونا تو ظاہر ہے، رہی بات نظم قرآن کے ساتھ اس تفسیر کی مناسبت ومطابقت کی تو اس کو سمجھنے کے لیے آیت کے سیاق وسباق پر نظر ڈالیے، آیت زیر بحث

سے پہلے "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء" کا ذکر ہے طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں تین حیض تک "بعدازاں اس مدت انتظار میں شوہر کے حق رجعت کا حکم بیان فرمایا گیا وبعولتھن احق بردھن فی ذلك إن ارادوا اصلاحًا" اوران کے شوہر حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر چاہیں سلوک سے رہنا۔

اس آیت کے نزول کے وقت قدیم رواج کے مطابق حق رجعت بغیر کسی قید کے بحالہ باقی تھا چاہے سیکڑوں طلاقیں کیوں نہ دی جا چکی ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱،ص۲۷۱) اوراس بے قید حق رجعت سے عورتیں جس ناقابل برداشت مصیبت میں مبتلا ہوجاتی تھیں، اس کا انداز ہ سببِ نزول سے متعلق اوپر مذکور روایت سے ہو چکا ہے؛ چنانچہ اس کے بعد آیت "الطلاق مرتان" نازل ہوئی، جس کے ذریعہ قدیم طریقہ کوختم کرکے ایک جدید قانون نافذ کردیا گیا کہ رجعت کا حق صرف دوطلاقوں تک ہوگا، اس کے بعد طلاق کی آخری حد بیان کرنے کے لیے ارشاد ہوا "فإن طلقھا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ" اورتین طلاقیں دے دیں تو اب عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے (اوردوسرا شوہر اس کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہولے۔ الحدیث) اس کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا۔

کلام خداوندی کے اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت "الطلاق مرتان" کا مقصد نزول طلاق رجعی کی حد اور طلاقوں کی انتہائی تعداد بیان کرنا ہے، قطع نظر اس کے کہ یہ طلاق بلفظ واحد دی گئی ہو یا بالفاظ مکررہ۔ ایک مجلس میں دی گئی ہو یا الگ الگ مختلف مجلسوں میں، بس یہی دو باتیں اس آیت سے ثابت ہوتی ہیں، تفریق مجلس کے لیے اس آیت میں ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ہے، لفظ "مرتان" کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوطلاقیں بیک وقت و بیک کلمہ نہ دی جائیں؛ بلکہ الگ الگ الفاظ سے دی جائیں۔

مرتین کے معنی کی تحقیق

پھر "مرتان" کا لفظ "مرة بعد اُخریٰ" یعنی یکے بعد دیگرے (ایک کے بعد دوسرا) کے معنی میں قطعی بھی نہیں ہے؛ کیونکہ یہ لفظ جس طرح یکے بعد دیگرے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اسی طرح "عددان" یعنی دو چنداور ڈبل کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے، جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

الف: اولئك یوتون اجرھم مرتین یہ لوگ (یعنی مومنین اہل کتاب) دیے جائیں گے

اپنا اجر وثواب دوگنا۔

ب: اسی طرح ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ ومن یقنت منکن للّٰہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتھا اجرھا مرتین. اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھا تو ہم دیں گے اس کو اس کا ثواب دوگنا۔

ان دونوں قرآنی آیتوں میں ''مرتین'' عددین یعنی دوچند اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو الگ الگ دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا۔

اب حدیث سے دو مثالیں بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "العبد إذا نصح لسیدہ وأحسن عبادۃ ربہ کان لہ اجرہ مرتین غلام جب اپنے آقا کا خیر خواہ ہوگا اور اپنے رب کی عبادت میں مخلص تو اسے دوہرا اجر ملے گا'' یہاں مرتین مضاعفین یعنی دوگنے اور دوہرے ہی کے معنی میں ہے۔

(۲) صحیح مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان أھل مکۃ سأل رسول اللّٰہ ﷺ ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر مرتین''(صحیح مسلم ج۲،ص۳۷۳)

''مکہ والوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا معجزہ دکھایا۔''

اس حدیث میں "مرتین" فلقتین یعنی دوٹکڑے کے معنی میں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے انھیں "مرۃ بعد أخری" یکے بعد دیگرے شق القمر کا معجزہ دکھایا؛ کیونکہ سیرت رسول سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ شق القمر (چاند کے دوٹکڑے ہونے) کا معجزہ صرف ایک بار ظاہر ہوا ہے؛ چنانچہ خود حافظ ابن القیم نے اپنی مشہور کتاب "اغاثۃ اللھفان" میں حدیث مذکور کو نقل کرکے مرتین کا معنی سقتین وفلقتین ہی بیان کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے۔

ولما خفی ھذا علی من لم یحط بہ علما زعم ان الانشقاق وقع مرۃ بعد مرۃ فی زمانین وھذا مما یعلم أھل الحدیث ومن لہ خبرۃ بأحوال الرسول وسیرتہ أنہ غلط وأنہ لم یقع الانشقاق إلامرۃ واحدۃ. (بحوالہ اعلاء السنن، ج۱۱،ص۱۷۹)

''مرتین کا یہ معنی جن لوگوں پر ان کی کم علمی کی بناء پر مخفی رہا انھوں نے سمجھ لیا کہ شق القمر کا معجزہ مختلف زمانوں میں متعدد بار ظاہر ہوا ہے، علماء حدیث اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے

احوال اور سیرت سے واقف اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ مرتین کا یہ معنی اس جگہ غلط ہے، کیونکہ شق القمر کا معجزہ صرف ایک ہی بار ظہور میں آیا ہے۔''

حافظ ابن القیم نے مرتین کی مراد سے متعلق اس موقع پر جو اصول ذکر کیا ہے کہ اگر مرتان سے افعال کا بیان ہوگا تو اس وقت تعداد زمانی یعنی یکے بعد دیگرے کے معنی میں ہوگا، کیونکہ دو کاموں کا ایک وقت میں اجتماع ممکن نہیں ہے، مثلاً جب کوئی یہ کہے کہ "اکلتُ مرّتین" تو اس کا لازمی طور پر معنی یہ ہوگا کہ میں نے دو بار کھایا؛ اس لیے کہ دو اکل یعنی کھانے کا دو عمل ایک وقت میں نہیں ہوسکتا اور جب مرتین سے اعیان یعنی ذات کا بیان ہوگا تو اس وقت یہ ''عددین'' دو چند اور ڈبل کے معنی میں ہوگا، کیونکہ دو ذاتوں کا ایک وقت میں اکٹھا ہونا ممکن ہے۔

موصوف کے اس اصول کے اعتبار سے بھی آیت پاک ''الطلاق مرتان'' میں مرتین، عددین کے معنی میں ہوگا؛ کیونکہ اوپر کی تفصیل سے یہ بات منقح ہوچکی ہے کہ اس آیت میں طلاق رجعی کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ تطلیق یعنی طلاق دینے کی کیفیت کا بیان نہیں ہے اور طلاق ذات اور اسم ہے فعل نہیں ہے۔

البتہ امام مجاہد وغیرہ کے قول پر (جن کے رائے میں آیت مذکورہ طریقۂ طلاق بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے ''الطلاق''، تطلیق یعنی طلاق دینے کے معنی میں ہوگا اور طلاق دینا ایک فعل ہے تو اس وقت ''مرتین'' کا معنی مرۃ بعد اخریٰ اور یکے بعد دیگرے ہوگا، اس معنی کی صورت میں بھی "الطلاق مرتان" سے صرف اتنی بات ثابت ہوگی کہ دو طلاقیں الگ الگ آگے پیچھے دی جائیں بیک کلمہ نہ دی جائیں، اس سے زیادہ کوئی اور قید مثلاً تفریق مجلس وغیرہ کی تو اس آیت میں اس کا معمولی اشارہ بھی نہیں ہے؛ اس لیے اگر ایک مجلس یا ایک طہر میں انت طالق، انت طالق تجھ پر طلاق ہے، تجھ پر طلاق ہے۔ الگ الگ تلفظ کے ذریعہ طلاق دی جائے تو یہ صورت "الطلاق مرتان'' طلاق یکے بعد دیگرے ہے، کے عین مطابق ہوگی، لہٰذا اس آیت کے مطابق یہ دونوں طلاقیں ایک مجلس یا ایک طہر میں ہونے کے باوجود واقع ہوجائیں گی اور جب اس آیت کی رو سے ایک مجلس یا ایک طہر کی متعدد تلفظ سے دی گئی طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں تو ایک تلفظ سے دی گئی طلاقیں بھی واقع ہوجائیں گی؛ کیونکہ ایک مجلس میں دی گئی دونوں طلاقوں (یعنی ایک تلفظ سے اور متعدد تلفظ سے) کا حکم بغیر کسی اختلاف کے سب کے نزدیک یکساں ہے۔ (دیکھیے احکام القرآن امام جصاص رازی ج ۱، ص ۳۸۶، المطبعۃ السلفیۃ، مصر)

اسی بناء پر جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ آیت "الطلاق مرتان" میں طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور ''مرتین'' مرۃ بعد اخریٰ یکے بعد دیگرے کے معنی میں ہے وہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ اگر چہ طلاق دینے کا یہ طریقہ غلط ہے؛ لیکن غلط طریقہ اختیار کرنے سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ہاں اس طرح طلاق دینے والا غلط طریقہ اختیار کرنے کا مجرم ہوگا۔

آیت طلاق پر اس تفصیلی بحث سے یہ بات کھل کر معلوم ہوگئی کہ آیت پاک میں واقع لفظ ''مرتین'' کا معنی مرۃ بعد اخریٰ یعنی یکے بعد دیگرے بھی صحیح ہے اور ثنتین یعنی دو کا معنی بھی درست ہے۔ نیز دونوں معنی کے اعتبار سے ایک مجلس یا ایک تلفظ میں دی گئی تین طلاقیں اس آیت کی رو سے واقع ہوجائیں گی اور اس کے بعد بحکم قرآن "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجًا غيره" حق رجعت ختم ہوجائے گا؛ اس لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے بعد بھی حق رجعت باقی رہتا ہے وہ قانون الٰہی کی مقررہ حد کو توڑ رہے ہیں اور ایک چور دروازہ نکال رہے ہیں؛ تاکہ ظالم شوہروں کو مزید ظلم کا موقع ہاتھ آجائے یا کم از کم قانون کے دائرۂ اثر کو محدود اور تنگ کررہے ہیں؛ جب کہ اس تحدید کا کوئی ثبوت نہ آیت کریمہ میں ہے اور نہ اس کا کوئی اشارہ ان روایتوں میں ہے جو اس آیت کے سبب نزول سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں قانون بحیثیت قانون کے اس طرح کی حد بندیوں کو برداشت بھی نہیں کرتا وہ تو اپنے جملہ متعلقات کو حاوی ہوتا ہے نیز اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک بتاتے ہوئے بہ طور استدلال کے اس آیت کو پیش کرتے ہیں ان کا یہ طرز عمل خالص مغالطہ پر مبنی ہے، علمی استدلال سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع پر آیت کریمہ "فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى نكح زوجاً غيره" سے استدلال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

فالقرآن واللّٰه أعلم يدل على ان من طلق زوجة له دخل بها أو لم يدخل بها ثلثة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (کتاب الام، ج۵، ص۶۵ و سنن الکبریٰ، ج۱، ص۳۳۳)

''اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ قرآن حکیم کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں خواہ اس نے اس سے ہم بستری کی ہو یا نہ کی ہو وہ عورت اس

کے لیے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے۔‘‘

امام شافعیؒ کا استدلال فان طلقها کے عموم سے ہے؛ کیونکہ ’’فان طلق‘‘ فعل شرط ہے جو عموم کے صیغوں میں سے ہے، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مصرح ہے، لہٰذا اس کے عموم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی داخل ہوں گی۔

یہی بات علامہ ابن حزم ظاہری بھی لکھتے ہیں، چنانچہ ’’فان طلقها فلا تحل له الآية‘‘ کے تحت لکھتے ہیں۔

فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص (المحلی، ج۱۰،ص۲۰۷) یعنی فان طلقها کا لفظ ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی دی گئی ہوں اور ان پر بھی جو الگ الگ دی گئی ہوں اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو خاص کسی ایک قسم کی طلاق پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

ایک بے بنیاد مفروضہ

اس صحیح استدلال کی تردید میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت کے عموم سے اکٹھی طلاقیں خارج ہیں؛ کیونکہ شریعت اسلامی میں اس طرح مجموعی طلاقیں دینی ممنوع ہیں، اب اگر ان ممنوع طلاقوں کو آیت کے عموم میں داخل مان کر ان کے نفاذ کو تسلیم کرلیا جائے تو شریعت کی ممانعت کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا اور یہ رائیگاں ہوجائے گا۔

بظاہر ان لوگوں کی یہ بات بڑی وقیع اور چست نظر آتی ہے؛ لیکن اصول وضوابط اور شرعی نظائر میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حیثیت ایک بے بنیاد مفروضہ سے زیادہ کی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس جواب میں سبب اور اس کے اثر وحکم کو گڈمڈ کرکے یہ غلط نتیجہ برآمد کرلیا گیا ہے؛ جب کہ اسباب اور ان پر مرتب ہونے والے احکام وآثار الگ الگ دو حقیقتیں ہیں۔ اسباب کے استعمال کا مکلّف بندہ ہے اور ان سباب پر احکام کا مرتب کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، لہٰذا جب شریعت کی جانب سے یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں کام کا فلاں حکم ہے تو بندۂ مکلّف سے جب بھی وہ فعل وجود میں آئے گا لامحالہ اس کا اثر اور حکم بھی ظہور پذیر ہوگا؛ البتہ اگر وہ فعل غیر مشروع طور پر اللہ تعالیٰ کی اذن واجازت کے خلاف صادر ہوگا تو اس کا کرنے والا عنداللہ معصیت کار ہوگا اور اس عصیان پر اس سے مواخذہ ہوسکتا ہے۔ رہا معاملہ اس فعل پر اس کے حکم واثر کے مرتب ہونے کا

تو فعل کے جائز و ناجائز ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس بات کو ایک مثال سے سمجھیے، اللہ تعالیٰ عز شانہ نے فعل مباشرت یعنی عورت کے ساتھ ہم بستری کو وجوبِ غسل کے لیے سبب بنایا ہے اب اگر کوئی شخص جائز طور پر اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس پر شریعت کی رو سے غسل فرض ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی بدکار کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہی کام کرے تو اس فعل کے حرام وممنوع ہونے کے باوجود اس پر بھی شرعاً غسل فرض ہوجائے گا، افعال شرعی میں اس کے نظائر بہت ہیں اس موقع پر ان نظائر کا جمع کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مسئلہ کی وضاحت پیش نظر ہے؛ اس لیے اسی ایک نظیر پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

بعینہٖ یہی صورت طلاق کی بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے فعل طلاق کو قید نکاح سے رہائی کا سبب اور ذریعہ قرار دیا ہے، لہٰذا جب شخص مکلّف سے فعل طلاق کا صدور ہوگا تو لازمی طور پر اُس کے اثر وحکم کا بھی ثبوت ہوگا۔ چاہے طلاق کا یہ عمل شریعت کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق وقوع میں آیا ہو یا غیر مشروع طور پر؛ البتہ غیر مشروع اور ممنوع طریقہ اختیار کرنے کی بنا پر وہ شریعت کی نگاہ میں قصوروار ہوگا اور اس کی بندگی واطاعت شعاری کا تقاضا ہوگا کہ ممکن حد تک اس غلطی کو درست کرنے کی کوشش کرے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی زوجہ کو بحالت حیض ایک طلاق دے دی تھی، جس کا ناجائز وممنوع ہونا شرعاً مسلم ہے، اس کے باوجود اس طلاق کو نافذ مانا گیا۔ پھر چونکہ یہ ایک طلاق تھی جس کے بعد رجعت کا حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا رجعت کرکے اس غلطی کی تلافی کا موقع تھا؛ اسی لیے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رجعت کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ رجعت کرلینے کے بعد اگر طلاق دینے ہی کی مرضی ہو تو طہر یعنی پاکی کے زمانہ میں جو مجامعت اور ہم بستری سے خالی ہو طلاق دینا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس طلاق کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن کبریٰ، سنن دارقطنی وغیرہ کتب حدیث میں دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ممنوع اور ناجائز طور پر طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس صریح وصحیح نص کے مقابلہ میں اس قیاسی مفروضہ کی کیا حیثیت ہے یہ ارباب علم ودانش پر مخفی نہیں، عیاں راچہ بیاں۔

عجیب انداز فکر

پھر یہ بات بھی کس قدر دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز ہے کہ جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو اس

کے ممنوع وغیر مشروع ہونے کی بنا پر آیت کے عموم سے خارج اور غیر نافذ کہہ کر اسے ایک طلاق قرار دیتے ہیں، وہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تین طلاقوں کی یہ ایک طلاق بھی ممنوع غیر مشروع اور طلاق بدعی ہے پھر بھی یہ ممنوع طلاق نافذ ہوجائے گی؛ جب کہ ان کے مفروضہ کے مطابق وہ نافذ نہیں ہونی چاہیے، ملاحظہ ہو گر وہ اہل حدیث (غیر مقلدین) کے رئیس اعظم جناب نواب صدیق حسن خاں قنوجی مرحوم کے فرزند ارجمند جناب نواب میر نورالحسن خاں المتوفی ۱۳۳۶ھ کی حسب ذیل عبارت:

''اوازادلہ متقدمہ ظاہر است کہ سہ طلاق بیک لفظ یادر یک مجلس بدون تخلل رجعت یک طلاق باشد اگر چہ بدعی بود ایں صورت منجملہ صور طلاق بدعی واقع است با آنکہ فاعلش آثم باشد نہ سائر صور بدعی کہ در آنہا طلاق واقع نمی شود'' (عرف الجادی من جنان ہدی الہادی ص ۱۲۱، م مطبع صدیقی بھوپال ۱۳۰۱ھ)

''اوپر بیان کردہ دلیلوں سے ظاہر ہے کہ ایک لفظ کی تین طلاقیں یا ایک مجلس کی تین طلاقیں جب کہ درمیان میں رجعت نہ ہو ایک طلاق ہوگی، اگر چہ یہ بھی بدعی ہوگی طلاق بدعی کی یہ قسم دیگر بدعی طلاقوں کے برخلاف نافذ ہوگی اور اس کا مرتکب گنہگار بھی ہوگا اور طلاق بدعی کی بقیہ ساری قسموں میں طلاق واقع نہیں ہوں گی۔''

سوال یہ ہے کہ ممنوع اور غیر مشروع ہونے میں ایک مجلس کی تین طلاقیں اور تین طلاقوں کی یہ ایک طلاق دونوں برابر اور یکساں ہیں یا دونوں کی ممنوعیت وغیرہ مشروعیت میں تفاوت ہے اگر دونوں میں تفاوت اور کمی بیشی ہے تو اس تفاوت پر شرعی نص درکار ہے۔ بالخصوص جو لوگ دوسروں سے ہر بات پر کتاب وسنت کی نص کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں، ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ پر قرآن وحدیث سے کوئی واضح دلیل پیش کریں اور اگر دونوں کی ممنوعیت یکساں ہے اور یہی بات جناب میر نورالحسن خاں مرحوم کی عبارت سے ظاہر ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ مفروضہ خود ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلم اور قابل عمل نہیں ہے؛ بلکہ مغالطہ اندازی کے لیے ایک ایسی بات چلتا کردی گئی ہے جو واقعیت سے یکسر بے بہرہ اور محروم ہے۔

(۳) "تلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا. الآية"

''یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں جو کوئی اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا تو اس نے اپنے اوپر

ظلم کیا اس کو کیا خبر کہ شاید اللہ پیدا کردے اس طلاق کے بعد کوئی نئی صورت۔''

اس آیت پاک کا ظاہر یہی بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاقوں کا جو حق مرد کو دیا ہے اگر وہ اس کو بیک دفعہ استعمال کرلے تو تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی؛ البتہ ایسا کرنا خود اس کی اپنی مصلحت کے خلاف ہوگا؛ کیونکہ اگر تین طلاقوں کو ایک شمار کرکے حق رجعت دے دیا جائے تو پھر اس کہنے کا کیا معنی ہوگا کہ "لا تدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلك امرا" اسے کیا معلوم کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی صورت یعنی باہمی موافقت وغیرہ کی پیدا فرمادے؛ اس لیے کہ تین کو ایک شمار کرنے کی صورت میں تو رجعت کا حق اور موافقت کی صورت باقی ہی ہے۔

چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نووی لکھتے ہیں:

"احتج الجمهور بقوله تعالىٰ ومن يتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه الآية قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لاتقع ولم يقع طلاقه هذا الا رجعيا فلا يندم" (صحیح مسلم مع الشرح، ج۱،ص۴۷۸)

''جمہور نے تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ومن یتعد حدود اللّٰہ فقد ظلم نفسہ" سے استدلال کیا ہے، یہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے والے کو بسا اوقات اپنی حرکت پر ندامت ہوتی ہے تو بیک دفعہ تینوں طلاقیں دے دینے کی صورت میں زوجین کے درمیان جدائی واقع ہوجانے سے اس ندامت کا تدارک اور ازالہ نہ ہوسکے گا اگر بیک دفعہ کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتیں تو ندامت کس بات پر ہوتی؛ کیونکہ رجعت کے ذریعہ اس کے تدارک اور ازالہ کی گنجائش موجود ہی ہے۔''

اسی بات کو امام جصاص رازی اپنے انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

ومن يتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه، يدل على أنه طلق لغير السنة وقع طلاقه وكان ظالما لنفسه بتعدية حدود اللّٰه لأنه ذكر عقيب العدة فابان أن من طلقه لغير العدة فطلاقه واقع لأنه لو لم يقع طلاقه لم يكن ظالمًا لنفسه ويدل على أنه أراد وقوع طلاقه مع ظلم نفسه قوله تعالىٰ عقيبه، لا تدرى لعل اللّٰه يحدث بعد ذلك أمرا، يعنى يحدث له ندم فلا ينفعه لأنه قد طلق ثلاثًا. (احکام القرآن، ج۳،ص۴۵۴ مطبوعہ مصر)

''آیت پاک "ومن یتعد حدود اللّٰہ" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب مرد طلاق بدعی دے گا تو وہ واقع ہوجائے گی اور وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی بنا پر اپنی ذات پر

ظلم کرنے والا ہوگا یہ دلالت اس طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "فطلقوھن لعدتھن" (طلاق دو انھیں ان کی عدت کے موقع پر) کے بعد اس آیت کو ذکر فرمایا ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ جو غیر عدت میں یعنی طلاق بدعی دے گا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی ورنہ اپنی ذات پر ظلم کرنے والا کیوں ہوگا اور اس بات پر دلالت کہ "من یتعد حدود اللّٰہ" کی مراد اپنے نفس پر ظلم کرنے کے باوجود اس کی طلاق کا واقع ہوجانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو اس کے بعد آرہا ہے یعنی لا تدری لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلك امرا یعنی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں طلاق پر ندامت پیدا کردے اور یہ ندامت اس کے واسطے مفید نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے۔''

علامہ علاء الدین ماردینی نے اس آیت کی یہی تفسیر قاضی اسماعیل کی کتاب احکام القرآن کے حوالے سے امام شعبی، ضحاک، عطاء، قتادہ اور متعدد صحابہ سے نقل کی ہے (الجوہر النقی مع سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷، ص ۳۲۸) نیز امام قرطبی علامہ جار اللہ زمخشری اور امام فخر الدین رازی نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں یہی لکھا ہے کہ اس آیت سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت فراہم ہوتا ہے (دیکھیے الجامع لاحکام القرآن، للقرطبی، ج۱۸، ص۱۵۶–۱۵۷، والکشاف للزمخشری ج٤، ص۱۰۹ اور مفاتیح الغیب المشتھر بالتفسیر الکبیر الامام الرازی ج۸، ص۱۵۹)

ان تینوں آیات قرآنیہ سے جن پر ائمۂ تفسیر کی تشریحات کی روشنی میں گذشتہ صفحات میں بحث کی گئی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں تینوں واقع ہوجائیں گی اس کے برعکس کسی آیت سے اشارۃ بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ بیک مجلس یا بیک کلمہ دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی۔

❁ ❁ ❁